بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# نظرات

## دارالعلوم دیوبند کا جدید دور

دارالعلوم دیوبند ہندوستان کے مسلمانوں کی واحد دینی مرکزی درسگاہ ہے۔ خدمتِ ملت و مذہب کا وہ کونسا شعبہ ہے جس میں اس درسگاہ کے تعلیم یافتہ اصحاب کی خدمات نمایاں نہیں۔ درس و تدریس کے حلقہ میں اکثریت انہی کی ہے۔ تبلیغ کے میدان میں انہی کے قدم سب سے پیش پیش رہے۔ اصلاحِ رسوم و معاشرت کی کوششوں میں انہی کی مساعی سب سے زیادہ روشن اور کامیاب ثابت ہوئیں۔ اسلامی سیاست کی بساط پر انہی کی فرزانگی و دانشوری کے مہرے بازی جیتنے میں کامگار نکلے۔ راہِ حق کوشی و اعلاء کلمۃ اللہ کے خارزار میں انہی کے ایثار و فداکاری کے گھوڑے سب سے زیادہ ثابت قدمی اور استقلال کے ساتھ دوڑے۔ صرف جدید لائن پر تصنیف و تالیف کا شعبہ ایک ایسا تھا جو اب تک دارالعلوم دیوبند کے حلقہ میں قائم نہیں تھا۔ تو خدا کا شکر ہے کہ اس نے ندوۃ المصنفین کے قیام کی صورت پیدا کردی جو امید افزا کامیابی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس عام کساد بازاری، اقتصادی پریشانی حالی۔ اور سیاسی ابتری و پراگندگی کے دورِ نامبارک میں بھی ملک نے اس ادارہ کا جس حوصلہ افزا طریقہ پر خیرمقدم کیا ہے وہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس گئی گذری حالت میں بھی ایسے مسلمانوں کی کمی نہیں ہے جو سنجیدہ علمی و مذہبی لٹریچر کو دلچسپی کے ساتھ پڑھتے ہیں اور اس سے قلبی وابستگی رکھتے ہیں۔ ندوۃ المصنفین نے اب

تک جو کچھ کتابیں شائع کی ہیں وہ برابر نکل رہی ہیں اور کچھ عجب نہیں کہ تھوڑی ہی مدت میں ہر کتاب کے دوسرے اڈیشن کی نوبت آجائے۔

---

ہماری یہ کامیابی بھی دراصل دار العلوم دیوبند کی ہی کامیابی ہے۔ کیونکہ جو حضرات اس ادارے کے اجزاء ترکیبی ہیں وہ سب کے سب دار العلوم کے پڑھے ہوئے، وہاں کے بزرگوں کا فیض صحبت اٹھائے ہوئے اور اُنہی کے دامانِ تربیت میں نشو و نما پائے ہوئے ہیں۔ بہرحال مقصد یہ ہے کہ دار العلوم دیوبند کے حلقہ میں ٹھوس علمی تصنیفات کے ایک ادارہ کی جو کمی تھی وہ بھی اُن لوگوں کے ہاتھوں پوری ہوگئی جو کم از کم غالب کی زبان میں یہ کہنے کے ضرور حقدار ہیں۔

گو واں نہیں پہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں     کعبے سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی

---

قوم پر کوئی سخت ادبار آتا ہے تو اُس کا ایک ایک ادارہ اُس سے متاثر ہوتا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کی عام سیاسی و اقتصادی زبوں حالی اُن کی محبوب دینی درس گاہ کو بھی متاثر کیے بغیر نہ رہی۔ اور ایک دیوبند ہی کیا، ہندوستان کی دوسری اسلامی عربی درسگاہ ندوۃ العلماء بھی اُس سے اثر پذیر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ لیکن اب یہ معلوم کر کے بڑی مسرت ہوئی کہ دونوں درسگاہیں اپنی اپنی اصلاح اور اپنی عظمت رفتہ کو واپس بلانے کے لیے تیار ہوگئی ہیں۔ ندوۃ العلماء کے متعلق بعض اخبارات میں آچکا ہے کہ مولانا سید سلیمان ندوی اُس کی اصلاح و تجدید کا ایک پروگرام بنا رہے ہیں اور اسی سلسلہ میں وہاں سے دوبارہ الندوۃ کا اجراء ہو رہا ہے۔ دیوبند کے دورِ جدید کا ایک نمایاں پہلو یہ ہے کہ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی صدر مہتمم کی حیثیت سے دیوبند میں مستقل قیام فرمائیں گے۔ آپ کا اس عہدہ کے لیے انتخاب مجلس عاملہ نے اب سے چند سال پہلے کر لیا تھا لیکن آپ کا مستقل قیام ڈابھیل میں رہتا تھا۔ آنریری طور پر دار العلوم کا کام کرتے

تھے۔ تمام کاغذات دیوبند سے ڈابھیل ہی چلے جاتے تھے لیکن ظاہر ہے صدر مہتمم کی حیثیت سے آپ پر دار العلوم کے معاملات کی ہمہ وقت نگرانی کی جو ذمہ داری عائد ہوتی تھی، دیوبند سے آٹھ سو میل دور ہونے اور پھر وہاں درس تدریس کی چند در چند مصروفیتوں میں منہمک رہنے کے باعث آپ اُس سے اچھی طرح سبکدوش نہیں ہو سکتے تھے۔

---

مسلمانوں کو سرکار آصفیہ حیدر آباد کا شکر گذار ہونا چاہیے کہ اُس نے اپنی دوربین نگاہ سے اس شدید کمی اور نقصان کا احساس کیا، اور اس کی تدبیر یہ کی کہ صدر مہتمم کی حیثیت سے مولانا ممدوح کے لیے دو سو روپیہ ماہوار کا وظیفہ (یا تنخواہ) مقرر کر دیا، تاکہ مولانا ڈابھیل سے قطع تعلق کر کے اطمینان کے ساتھ مستقلاً دیوبند میں قیام کریں اور اپنے شب و روز کی قیمتی ساعتوں کو دار العلوم کی ترقی اور اُس کی اصلاح و فلاح کی کوششوں میں صرف کریں۔ ہماری رائے میں "دولت آصفیہ خلد اللہ ملکہا" کا یہ اقدام نہایت مبارک و مسعود ہے جس سے دار العلوم کے ساتھ اُس کی غایت شیفتگی اور عقیدتمندی کا اظہار ہوتا ہے اور جس سے دشمنوں کے اُس پروپیگنڈہ کی واضح طور پر تردید ہو جاتی ہے جو اُنہوں نے اپنے ذاتی اغراض کے لیے یہ کہہ کر مشہور کر رکھا تھا کہ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کی سیاسی سرگرمیوں کے باعث حیدر آباد کا ایک ہزار روپیہ ماہوار کا عطیہ بند ہونے والا ہے۔ ان خود غرضوں نے صرف ایسا کہنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ جہاں تک ہمیں معلوم ہے اُنہوں نے در پردہ اس کے لیے سرگرم کوششیں بھی کیں مگر الحمد للہ کہ وہ سب ناکام رہیں ؎ عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد۔

---

دیوبند میں مولانا شبیر احمد عثمانی کا صدر مہتمم کی حیثیت سے مستقل قیام دار العلوم کی جدید تاریخ میں بے شبہ ایک نئے باب کا آغاز ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ مولانا حسین احمد صاحب اور مولانا شبیر احمد صاحب دونوں

بزرگوں کی متحدہ مساعی سے دارالعلوم اپنی مرکزیت کے شایانِ شان اسلام اور مسلمانوں کی مفید سے مفید ترخدمات انجام دینے میں کامیاب ثابت ہوگا۔ خدا کرے ہماری توقعات نقش بر آب ثابت نہ ہوں اور مسلمانوں کے موجودہ دورِ تنزل میں ایک مرکزی دینی درسگاہ کو چلانے کے لیے جس بیدار مغزی، روشن خیالی، عالی ہمتی، وسعتِ نظر اور خلوص وللّٰہیت کی ضرورت ہے۔ دارالعلوم اُن سے محروم نہ رہے۔ یہ دونوں حضرات اگر کوشش کریں تو دارالعلوم دیوبند نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام براعظم ایشیا کی ایک واحد اسلامی درسگاہ بن سکتا ہے۔ تعلیمی اور اخلاقی تربیت کے لحاظ سے چند درچند نقائص ہیں جن کی طرف فوری توجہ کی ضرورت ہے۔ نصابِ تعلیم اور طرزِ تعلیم کی اصلاح کی ضرورت اب اس درجہ پرانی اور فرسودہ ہوچکی ہے کہ اُس پر تفصیل کے ساتھ گفتگو کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ ہر روشن خیال عالم اس ضرورت کو بیّن طور پر محسوس کررہا ہے لیکن افسوس ہے کہ اب تک اس کی طرف عملی اقدام کسی نے بھی نہیں کیا۔ جس درسگاہ کو مولانا حسین احمد ایسا سرفروش مجاہد صدر مدرس، اور مولانا شبیر احمد جیسا وسیع النظر، خوش تقریر اور ذی اثر صدر مہتمم ملے وہ بھی اگر مسلمانوں کی اجتماعی تعلیمی ضرورتوں کو پورا کرنے میں ناکام رہے تو اس سے زیادہ مسلمانوں کی بدقسمتی کیا ہوسکتی ہے؟۔

---

دارالعلوم دیوبند کے سلسلہ میں اس مسرت انگیز خبر کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ ابھی رمضان سے قبل مولانا محمد طیب مہتمم دارالعلوم افغانستان تشریف لے گئے تھے، وہاں دارالعلوم کے مہتمم کی حیثیت سے اُن کی خاطر خواہ مدارات ہوئی۔ شاہ افغانستان نے اُن سے ملاقات کی۔ دارالعلوم دیوبند کی مختلف عظیم الشان خدمات کا ذکر ہوتا رہا۔ اور ہمیں یہ ظاہر کرنے میں مسرت ہے کہ اسی سلسلہ میں ندوۃ المصنفین کے قیام اور اُس کی خدمات کا بھی ذکر آیا جس پر شاہ والا جاہ نے اپنی دلچسپی کا اظہار فرمایا۔ اس کے علاوہ وہاں کے بڑے بڑے وزرا اور اعیان نے اُن کے اعزاز میں دعوتیں کیں۔ اور پھر شاہ ممدوح نے

اپنی عقیدت و ارادت ظاہر کرنے کے لیے افغانستان کے رائج الوقت سکہ کے پچاس ہزار روپے بھی دارالعلوم کو بطور عطیہ مرحمت فرمائیے۔ ہم اس پر شاہ ممدوح کی خدمت میں ہدیۂ تبریک و تہنیت پیش کرتے ہیں، اور اُمید کرتے ہیں کہ وہ آئندہ بھی مسلمانوں کی اس متاعِ گرانمایہ کو اسی طرح اپنی توجہاتِ سامیہ کا سزوار سمجھتے رہینگے۔

---

آج کل پنجاب اسمبلی میں پرائمری تعلیم کے جبری نفاذ کا جو بل پیش ہے اُس نے مسلمانوں میں سخت اضطراب و ہیجان پیدا کر دیا ہے۔ اس سلسلہ میں مخلوط تعلیم کا مسئلہ بھی زیر بحث آیا، اور اس پر جبری اور مخلوط تعلیم کے حامیوں نے جو تقریریں کی ہیں وہ اردو اخبارات میں تفصیل کے ساتھ آچکی ہیں، پنجاب کے وزیر تعلیم نے کہا کہ قرآن کے دو ترجمے بھی ایک نہیں ہیں! ہم کہتے ہیں ہاں بیشک دو ترجمے ایک نہیں ہیں لیکن کیا قرآن مجید بھی ایک نہیں ہے؟ آپ استدلال قرآن سے چاہتے ہیں یا کسی اور چیز سے؟ رہا تراجم کا اختلاف، تو ارشاد ہو کہ کیا قانونی دفعات کی تشریح میں دو وکیلوں کا اختلاف نہیں ہوتا؟ پھر آپ اس اختلاف کی وجہ سے قانون کی اُس دفعہ کو ہی رد کیوں نہیں کر دیتے۔ بیگم شاہنواز نے کہا کہ اسلام میں پردہ نہیں ہے، ہمیں تعجب ہے کہ آپنے صرف اسی قدر کہنے پر کیوں اکتفا کیا۔ یہ کیوں نہیں کہہ دیا کہ اسلام میں عورتوں کا آزادی کے ساتھ غیر مردوں کی مجلسوں میں شریک ہو کر بے حجابانہ گفتگو کرنا، کلب میں برج اور کارڈس کھیلنا، بال روم میں رقص کرنا حسنِ نسوانی کی ہر ادا کو منظر عام پر لا کر جذبِ نگاہ و دل کا سامان بہم پہنچانا بھی ممنوع نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ تہذیب فرنگ کی خیرہ کن چمک نے مسلمانوں کی ذہنیت کو جس طرح مسخ کر دیا ہے اُس کے ہوتے ہوئے جو کچھ بھی کہا جائے کم ہے لیکن اس میں خطا اُن غریبوں کی نہیں جنہوں نے فرنگی تہذیب و تمدن کے گہوارہ میں آنکھ کھولی اور اُسکی ہی گود میں پرورش پائی، بلکہ دراصل قصور اُس اکثریت کا ہے جس نے اپنے ووٹوں کی قوت سے ان لوگوں کو اپنا نمائندہ منتخب کر کے مجلس قانون ساز میں بھیجا۔ آج اگر اُن کو مسلم قوم کے ان نمائندوں سے شکایت ہے تو اس کی سب سے بڑی ذمہ داری خود اُنہی کے سر عائد ہوتی ہے۔ وہ تو جیسے کچھ ہیں پہلے سے سب کی نگاہیں تھے۔ آپنے اُن کے سر پر اپنی نمائندگی کا تاجِ زرفشاں رکھا ہے تو آپ خود اپنے ذوق انتخاب کا ماتم اور اس پر جتنا ہو سکے نوحۂ الم کیجیے۔